۷۸۶/۹۲

ام المومنین

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

ایک تحقیقی و تاریخی جائزہ مع ازالہ ء شبہات و اعتراضات

از قلم

محقق عصر حضرت علامہ و مولانا مفتی

رضاء الحق مصباحی راج محلی

ناشر

تنظیم علمائے اہل سنت راج محل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ام المومنین

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کس عمر میں ہوا تھا؟

ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ

ازقلم
محقق عصر حضرت علامہ مولانا مفتی
رضاء الحق مصباحی اشرفی راج محلی

تخریج و پروف ریڈنگ
شبیر احمد اشرفی راج محلی

ناشر
تنظیم علمائے اہل سنت راج محل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلِّم علیٰ رسولہ الکریم

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کس عمر میں ہوا تھا؟

ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسولِ خدا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کس عمر میں ہوا تھا؟ اور رخصتی کب ہوئی تھی؟۔ احادیث صحیحہ اور کتبِ تاریخ وسیرت میں یہی لکھا ہے کہ نکاح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے ۶ سال پورے ہوکر ساتواں سال شروع ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے ہم اُن دلائل کو ذکر کریں گے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے وقت 6 یا 7 سال کی اور رخصتی کے وقت 9 سال کی تھیں۔ پھر اُن حضرات کے شبہات اور شبہات کے جوابات بھی ذکر کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 16 یا 17 سال کی عمر میں اور رخصتی 19 سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ مقالے کے آخر میں اُن اعتراضات کے جوابات بھی پیش کریں گے جو ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق مخالفینِ اسلام مستشرقین کی طرف سے پیش کئے جاتے رہے ہیں اور آج بھی کچھ مشرکین اُس پہ واویلا مچا کر اپنی اسلام دشمنی کا اظہار کر رہے ہیں۔

کیا نکاحِ صغیر قرآن کے خلاف ہے؟

ایک پاکستانی شاہ صاحب کا اعتراض:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 6 یا سات سال کی عمر میں ہوا، یہ بات قرآن کے بھی خلاف ہے اور فطرت کے بھی خلاف ہے۔ قرآن حکیم سورۃ النساء کی

آیت 6 ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔

ترجمہ:

اورتم یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر (بلوغ) کو پہنچیں تو اگر تم دیکھو کہ وہ (اپنے دین اور مال کے معاملے میں) صالح ہیں تو اُن کے مال اُن کے حوالے کر دو۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ لڑکا ہو یا لڑکی اُس کی شادی کی عمر بعدِ بلوغ ہے۔لہٰذا صحیح بخاری وغیرہ کے حوالے سے جو حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے 6 یا سات سال کی عمر میں نکاح فرمایا تھا، قرآن کے خلاف ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے ہم اُسے قبول نہیں کر سکتے۔(شاہ صاحب کے ویڈیو سے ماخوذ)

جواب:

سب سے پہلے معترض صاحب یہ بتائیں کہ اُن کی ذکر کردہ آیت کے کس لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بلوغ سے پہلے نکاح کرنا منع ہے؟ بلوغ سے پہلے نکاح کرنے کی ممانعت آیتِ مذکورہ کی عبارۃُ النص یا دلالۃ النص یا اشارۃ النص یا اقتضاء النص سے ثابت ہے؟ جو بھی ہے اُس کو دلیل سے ثابت کریں۔کیا اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں کسی مفسر، فقیہ، مجتہد، محدث نے معترض موصوف کی ذکر کردہ آیت سے نکاح صغیرہ کی ممانعت وحرمت پر استدلال کیا ہے یا چودہ سوسال کے بعد معترض موصوف کی یہ نادر روزگار تحقیق سامنے آئی ہے؟

آیتِ مذکورہ تو اِس بات کو بتانے کے لئے آئی ہے کہ جو لوگ یتیموں کے مال کے امین ہیں وہ یتیموں کو آزماتے رہیں کہ وہ بلوغ اور عقل وشعور کی درستگی کے مرحلے

میں آئے ہیں یا نہیں۔ یہ وہ عمر ہے جس میں عموماً نکاح کیا جاتا ہے۔ جب یتیم بلوغ کو پہنچے اور عقل وشعور میں اتنی پختگی آجائے کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کر سکے اور اُس کو صحیح مصرف میں لا سکے تو یتیم کے ذمہ دار کو چاہئے کہ یتیم کا مال یتیم کے حوالے کردے۔ ہاں اِس ضمن میں یہ بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ عمومی طور پر نکاح بلوغ کے بعد ہوتا ہے، لیکن اِس سے یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ بلوغ سے پہلے نکاح ممنوع وناجائز ہے؟ کیا نص قرآنی کا مفہوم مخالف معترض صاحب کے یہاں معتبر ہے؟ اگر ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

معترض صاحب کے بقول اگر بلوغ سے قبل نکاح کرنا قرآن کے خلاف ہے تو پھر احادیث طیبہ میں اور کتبِ فقہیہ میں نکاحِ صغیرہ ایک مستقل عنوان کیوں ہے؟ کیا معترض صاحب اُن تمام احادیث کو مخالفِ قرآن کہہ کر ذخیرۂ احادیث سے نکال باہر کریں گے جو نکاح صغیرہ کے باب میں وارد ہیں۔ نیز کیا اُن تمام احکام شرعیہ کو بھی قلم زد کردیں گے جو نکاحِ صغیرہ کے ابواب کے تحت مندرج ہیں؟

معترض صاحب، امام بغوی کے اِس قول کا کیا جواب دیں گے؟:

اتّفق اهل الْعلم علی اَنَّهُ یجوز للْاَب وَ الْجد تزویجُ الْبکر الصَّغِیرَة، لحَدِیث عَائِشَة اَن النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ تزَوجهَا وَ هِی بنتُ سبع۔

ترجمہ:

اہلِ علم کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ باپ اور دادا نابالغ لڑکی کا نکاح کردیں تو جائز ہے۔ اِس کی دلیل حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے اُس وقت نکاح فرمایا تھا جب کہ اُن کی عمر سات سال تھی۔

[شرح السنۃ: ج۹، ص ۳۷، کتاب النکاح، باب تزویج الصغیرۃ،]

اچھا رہنے دیجیے، ان حوالوں کو لیجیے! ہم قرآن حکیم ہی کی صریح آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ صغیرہ کا نکاح قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ دیکھیے سورۃ الطلاق

آیت 4 میں ہے:

وَ اللّٰئِی یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیضِ مِنْ نِسَائِکُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَ اللّٰئِی لَمْ یَحِضْنَ۔

ترجمہ:

تمہاری عورتوں میں سے جن کے حیض آنے کی امید منقطع ہوگئی ہے (جو بوڑھی ہوچکی ہیں) اگر اُن کی عدت میں تم کو شک ہے تو اُن کی عدت تین مہینے ہیں اور وہ جنہیں ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا ہے (اُن کی عدت بھی تین مہینے ہیں)۔

آیت مذکورہ میں مطلّقہ آئسہ اور مطلقہ صغیرہ کی عدت کا بیان ہے۔صغیرہ جب مطلقہ ہوگی تو لازماً نکاح شدہ ہوگی۔کیا اِس آیت کو دیکھنے کے بعد بھی معترض صاحب یہی بولیں گے کہ 6 یا سات سال کی لڑکی کا نکاح قرآن کے خلاف ہے؟؟۔۔

ہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی امر کا جائز ہونا اور ہے اور اُس کا ترغیبی حکم اور ہے۔نکاحِ صغیرہ جائز ضرور ہے لیکن اسلام نے اس کی عمومی ترغیب نہیں دی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو امت کے لیے سنت نہیں بنایا ہے۔اگر اسلام میں کم سن بچیوں سے شادی سنت یا مستحب ہوتی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی شادیاں کی تھیں سب کم سن بچیوں سے کی ہوتی یا اس کی امت کو ترغیب دی ہوتی۔کوئی ایک روایت ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو کم سن لڑکیوں کی شادی کا حکم دیا ہے۔حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا عمل ایک خاص واقعہ تھا جو بیان جواز کے لیے ہے، اُسے دلیلِ استحباب نہیں بنایا جاسکتا۔۔

معترضِ موصوف دشمنانِ اسلام کے بے جا اعتراضات سے اِس قدر مرعوب

ہیں کہ وہ اُن کے اعتراضات کو درست ٹھہراتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ ایک ورلڈ فورم بننا چاہئے اور جن احادیث کریمہ کی بنا پر دشمنانِ اسلام پیغمبر اسلام ﷺ کی عزت وناموس پر حملہ کرتے ہیں اُن تمام احادیث کو کتبِ احادیث سے نکال دینا چاہئے اور مسلمانوں کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ان روایتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، ہم اندھے بہرے مسلمان نہیں ہیں، عقل وشعور والے مسلمان ہیں۔

معترض موصوف چوں کہ ایک عالم ہیں اور شاہ صاحب بھی ہیں اِس لیے اُن سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ خدارا عقل وشعور کی اتنی بلندی پہ پہنچنے کی کوشش نہ کی جائے جہاں سے سارے اسلافِ امت محدثین، مفسرین، فقہا، علما، صوفیہ سب کے سب بونے دکھائی دیں۔

رسول خدا ﷺ کی عزت وناموس پہ مر مٹنے کا جذبہ یقیناً لائقِ ستائش اور قابل قدر ہے لیکن یہ کیسا جذبہ ہے کہ ناموسِ رسالت کی حفاظت کے نام پر خود رسول خدا ﷺ کی صحیح احادیث کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا جائے کہ اُن احادیث کو بنیاد بنا کر دشمنان اسلام رسول خدا ﷺ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں؟

محترم شاہ صاحب!

آپ کے شاہی فرمان کے مطابق حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اُن تمام احادیث کو کتبِ احادیث سے نکال دینا چاہئے جن کو بنیاد بنا کر دشمنانِ اسلام ہمارے نبی ﷺ کی شان پر کیچڑ اچھالتے ہیں، تو ذرا فرمائیے: کیا اُس حدیثِ متواتر کو بھی آپ کتبِ احادیث سے نکال باہر کریں گے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ طلاقِ مغلظہ والی عورت شوہر اول کے لیے اُس وقت حلال ہوگی جب کہ شوہر ثانی بعدِ نکاح اُس سے وطی کر کے طلاق دے یا اُس کی موت ہو جائے۔ کیا مسئلہ حلالہ کو لے کر دشمنانِ اسلام اللہ کے رسول ﷺ کو نشانہ نہیں بناتے ہیں؟۔ کیا رسول خدا ﷺ کی کثرتِ ازدواج پر دشمنان اسلام واویلا نہیں مچاتے؟ تو کیا کثرتِ ازواج مطہرات کو بیان کرنے والی تمام احادیث کو کتبِ

احادیث سے نکال کر آپ یہ کہیں گے کہ یہ بات غلط ہے کہ رسول خدا ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں؟

یہ تو ایک دو مثالیں ہیں ورنہ ایسی کثیر صحیح احادیث ہیں جن کی بنا پر دشمنانِ رسول، اسلام اور پیغمبر اسلام کو بُرا بھلا کہتے ہیں، تو کیا شاہ صاحب اُن تمام احادیث کو کتابوں سے نکال دیں گے؟

شاہ صاحب اپنے بیان میں زوردار انداز میں یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ شادی کے وقت اَمّاں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 17 اور 19 سال کے درمیان تھی۔ پھر اُس پہ وہ اپنے گمان میں کچھ دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ 6 سال کی عمر میں شادی کرنا قرآن کے خلاف ہے۔شاہ صاحب نے اس پر جو آیت پیش کی ہے اس سے کسی بھی لحاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ 6 یا سات سال کی شادی اصلاً معیوب یا ممنوع ہے۔ بلکہ شاہ صاحب کے خلاف ہم نے اس سے قبل سورۃ الطلاق کی آیت 4 سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر کسی لڑکی کی شادی 6 یا سات کی عمر میں ہو جائے تو یہ قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ جب قرآن کے خلاف نہیں تو فطرت کے بھی خلاف نہیں، ورنہ شاہ صاحب کسی ایسی چیز کی نشان دہی کریں جو قرآن کے خلاف نہیں، موافق ہے لیکن فطرت کے خلاف ہے؟

ماں حضرت عائشہ کا نکاح 6 یا 7 سال کی عمر میں اور رخصتی 9 سال کی عمر میں۔۔احادیث صحیحہ کی روشنی میں:

صحیح بخاری و مسلم سمیت درجنوں کتبِ احادیث میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول منقول ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، وَبَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ۔

(صحیح البخاری: ج ۷، ص ۱۷، حدیث 5134۔ کتاب النکاح، باب تزویج الاب ابنتہ من الامام)

ترجمہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا جب کہ اُن کی عمر تھی چھ سال اور رخصتی کرائی جب کہ عمر تھی نو سال۔

صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَھَا وَھِیَ بِنۡتُ سَبۡعِ سِنِینَ، وَزُفَّتۡ إِلَیۡہِ وَھِیَ بِنۡتُ تِسۡعِ سِنِینَ۔

(صحیح مسلم، ج ۲ص ۱۰۳۹، کتاب النکاح، باب تزویج الاب البکر الصغیرۃ، حدیث ۱۴۲۲، دار احیاء التراث العربی بیروت)

نکاح کے وقت عمر تھی سات سال اور رخصتی ہوئی تو عمر تھی نو سال۔

سب سے پہلے ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اِس روایت کی اسنادی حیثیت پہ ہم گفتگو کریں گے کہ کیا یہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے یا نہیں؟ اُس کے بعد درایت کے لحاظ سے اِس کی حیثیت پہ روشنی ڈالیں گے کہ کیا اِس نکاح میں کوئی شرعی قباحت ہے؟ کیا طبی اعتبار سے یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی لڑکی نو سال کی عمر میں اپنے شوہر کی قابل ہوجائے؟ کیا کسی دور میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ہے؟ کیا ہر دور میں، ہر سماج میں اور ہر حال میں ایسے نکاح کو معیوب سمجھا گیا ہے؟ اِن سوالات پر ہم تحقیقی نظر ڈالیں گے۔۔۔۔ پہلے بخاری و مسلم کی روایت کی اسنادی حیثیت ملاحظہ کرلیں۔

سندِ حدیث:

صحیحین میں یہ حدیث دو سندوں سے منقول ہے۔

(1) **عَنۡ ھِشَامٍ عَنۡ اَبِیہِ عَنۡ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھَا**۔ یعنی اِس روایت کو ہشام نے اپنے باپ عروہ سے اور عروہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔

(2) صحیح مسلم میں ایک سند یوں ہے: عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ۔ یعنی اِس حدیث کو اسود نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔

صحیحین کے مطابق روایتِ مذکورہ کو ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے دو راوی عروہ اور اسود ہیں اور دیگر کتبِ احادیث کی چھان بین کرنے سے راقم غفرلہ کے علم میں سات راویوں کے نام اور آئے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:

(3) عبداللہ بن عروہ۔ (4) عبدالملک بن عمیر۔ (5) عبدالرحمٰن بن محمد بن زید بن جدعان۔ (6) ابوعبیدہ۔ (7) ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن۔ (8) یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب۔ (9) عبداللہ بن ابی ملیکہ۔

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی 9 سال کی عمر میں ہوئی ہے اِس روایت کو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے تنہا حضرت عروہ بن زبیر نہیں ہیں، بلکہ اُن کے علاوہ آٹھ راوی اور بھی ہیں جن کے نام اوپر ذکر کئے گئے۔ روایتِ مذکورہ کے راوی تنہا عروہ ہوتے اور اُس کی سند صرف وہی ہوتی جو صحیحین میں ہے تو بھی اُس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں تھا لیکن حدیثِ مذکور کی صحت اور زیادہ قوی ہوجاتی ہے کہ اُس کے راوی ایک عروہ ہی نہیں، کم از کم نو ہیں جنہوں نے ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

حدیثِ صحیحین پر ایک پاکستانی بزرگ عالم کے شبہات کا ازالہ:

منکرینِ حدیث اور مستشرقین کے بے جا اعتراضات سے مرعوب ہوکر بعض علما اور مسلم دانشوروں نے ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی کی عمر سے متعلق حدیثِ صحیحین سمیت اُن تمام احادیثِ صحیحہ کو خلافِ درایت کہہ کر مسترد ٹھہرایا ہے جن میں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول منقول ہے کہ نکاح کے وقت وہ چھ یا سات سال کی اور رخصتی کے وقت نو سال کی تھیں۔ ابھی کچھ دن پہلے ایک پاکستانی بزرگ عالم جو اہل سنت کے بڑے مناظر کی حیثیت سے وہاں معروف بھی

ہیں، انہوں نے صحیحین کی روایتِ مذکورہ کو روایت اور درایت دونوں لحاظ سے نامقبول قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ نکاح کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 18 سال یا انیس سال تھی۔ یہ صحیح ہے کہ کتاب اللہ کے سوا کوئی بھی کتاب غلطی اور شک وشبہہ سے خالی نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہو۔لیکن اتنا تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن کے بعد دین کا دوسرا ماخذ احادیث صحیحہ ہیں۔محدثین و ناقدینِ حدیث کا یہ تاریخی کارنامہ امتِ مسلمہ پر اللہ کی عظیم نعمت ہے کہ انہوں نے پورے ذخیرۂ احادیث کو کھنگالنے اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنے میں اپنی عمریں گزاردی ہیں اور امتِ مسلمہ کے سامنے یہ واضح کردیا ہے کہ کون سی حدیث صحیح ہے ؟ کون سی ضعیف ہے؟ کون سی مقبول ہے اور کون سی نامقبول وموضوع ہے؟ روایت کے لحاظ سے کون سی نامقبول ہے اور درایت کے لحاظ سے کون سی نامقبول ہے؟ ۔ضرورت ہے کتابوں میں تلاش کرنے کی۔ ہر حدیث کے راویوں کے حالات کی چھان بین کر کے راویانِ حدیث کی پوری زندگی کو اِس طرح عیاں کردیا ہے کہ قیامت تک کوئی بھی کذاب اپنی کذب بیانی کے ذریعہ ذخیرۂ احادیث میں سیندھ نہیں لگا سکتا۔فن طبقات وتراجم اور علم اسماء الرجال مسلمانوں کی ایسی بیش بہا دولت ہے جسے دیکھ کر دشمنانِ اسلام کی نگاہیں خیرہ ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ بعض حدیثیں درایت کے لحاظ سے نامقبول ہیں ،لیکن کیا ماوشما کو یہ آزادی دے دی گئی ہے کہ ہم درایت کے نام پر کسی بھی صحیح حدیث کو یہ کہہ کر رد کردیں کہ وہ ہماری عقل ودرایت کے خلاف ہے؟ اگر ایسی آزادی دے دی جائے تو پورے ذخیرۂ احادیث پہ منکرین حدیث کو شک وشبہے کی انگلی رکھنے کا موقع فراہم ہوجائے گا۔انکارِ حدیث کی راہ ہموار ہوجائے گی اور یہی دشمنانِ اسلام کی خواہش بھی ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند پر پہلا شبہہ اور اُس کا ازالہ:

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی سند یہ ہے:عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ

عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا۔ حدیث عائشہ کو ہشام نے اپنے والد عروہ سے نقل کیا ہے اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ اِس سند پر کلام کرتے ہوئے معترض محترم نے یہ فرمایا ہے کہ تمام محدثین کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ عروہ نے ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی حدیث نہیں سنی ہے، تو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اور عروہ کے بیچ میں کوئی راوی چھپا ہوا ہے۔ نہیں معلوم وہ کون ہے؟ ہوسکتا ہے اُسی نے ڈنڈی ماری ہو۔

حضرت عروہ کا سماع حضرت عائشہ سے:

حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث سنی ہیں، بلکہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تین افراد سب سے زیادہ جانتے تھے۔ وہ ہیں قاسم بن محمد بن ابی بکر، عروہ بن زبیر اور عمرہ بنت عبد الرحمٰن۔

[سیر اعلام النبلاء للذھبی: ج۵ ص ۵۴، القاسم بن مُحَمَّدِ بنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، الناشر مؤسسۃ الرسالۃ]

حضرت عروہ نے ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث سنی ہیں، اِس کے ثبوت پر ماہرین علم حدیث کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

امام بخاری نے فرمایا:

''عُروَة بن الزُّبَير بن العَوّام اَبو عَبد الله القُرَشِيُّ الاَسَدِيُّ سَمِعَ اباه وعَائِشَة وعَبدَاللهِ بن عُمَر۔''

عروہ بن زبیر نے اپنے باپ زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے احادیث سنی ہیں۔

[التاریخ الکبیر: ج۷۔ص۱۳۱، المؤلف: محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن المغیرۃ البخاری، أبو عبداللہ (المتوفی:256ھ)

الطبعۃ: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد۔الدکن)

امام ابن حبان نے لکھا:

يَرْوِى عَنْ عَائِشَةَ وَ اَبِيهِ وعَبْد اللّٰه بْن عَمْرو و كان من افاضل اهل الْمَدِينَة وعلمائهم روى عَنهُ الزُّهْرِىّ۔

عروہ اپنے والد سے اور عائشہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے روایتیں لیتے تھے۔اہل مدینہ کے بڑے فضلا اور علما میں سے تھے۔زہری نے ان سے روایتیں لی ہیں۔

[الثقات، ج۹ص ۱۹۴، اول کتاب التابعین، باب العین، الناشر: دائرۃ المعارف العثمانیۃ بحید رآباد الدکن الہند]

ابن ابوحاتم نے یہ لکھا ہے:

وسمع من ابى حميد الساعدى و ابن عباس و ابى هريرة و المغيرة بن شعبة و عائشة۔

عروہ نے ابوحمید ساعدی، ابن عباس، ابو ہریرہ، مغیرہ بن شعبہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی ہیں۔

[الجرح والتعدیل: ج۶ص ۳۹۵، الناشر: طبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ۔بحید رآباد الدکن۔ الہند، دار إحیاء التراث العربی۔بیروت)

ابونصر البخاری متوفی 398ھ نے یہ لکھا ہے:

سمع اَبَاهُ الزبير و اخاه عبد الله بن الزبير وَ امه اَسمَاء و خالته عَائِشَة بِنْتى ابى بكر الصّديق وَ ابْن عمر وَ عبدالله بن عَمْرو۔

عروہ نے اپنے باپ زبیر، اپنے بھائی عبداللہ، اپنی ماں اسماء اور اپنی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنی ہیں۔

[رجال صحیح البخاری: ج۲ص ۵۸۱، وَمِنْهُم من اسْمه عُرْوَة، الناشر: دار المعرفۃ۔بیروت)

اِس کے علاوہ ابن سعد نے الطبقات میں، صفدی نے الوافی بالوفیات میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور ابن حجر عسقلانی نے تھذیب التھذیب میں یہی لکھا ہے کہ عروہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیثیں سنی ہیں۔معلوم ہوا کہ بخاری کی روایت کی سند میں انقطاع نہیں ہے۔عروہ کا سماع

حضرت عائشہ سے ثابت ہے، لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ عروہ اور ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی راوی ساقط ہے جو نامعلوم ہے۔ جب سند کے اندر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عروہ کے درمیان کوئی راوی ساقط ہی نہیں ہے تو یہاں کسی پر ڈنڈی ڈنڈا مارنے کا الزام بھی کالعدم ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند پر دوسرا شبہہ اور اُس کا ازالہ:

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہشام نے اپنے باپ عروہ سے نقل کیا ہے اور ہشام کا حافظہ اخیر عمر میں بگڑ گیا تھا، اس لیے ہوسکتا ہے کہ عروہ نے 16 یا سترہ سال کی عمر میں نکاح اور 19 سال کی عمر میں رخصتی کی بات کہی ہو اور ہشام کو اشتباہ ہوگیا ہو اور انہوں نے 6 یا سات سال اور 9 سال بیان کر دیا ہو۔ ہشام کا حافظہ اخیر عمر میں بگڑ گیا تھا، اِس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ایک بار یہ کہا کہ فاطمہ بنت منذر سے اُن کا نکاح اُس وقت ہوا تھا جب کہ فاطمہ بنت منذر کی عمر 9 سال کی تھی، پھر خود انہوں نے ایک بار یہ کہا کہ اُن کی بیوی فاطمہ اُن سے عمر میں 13 سال بڑی ہیں۔ اگر اُن کی دونوں باتوں کو درست مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ فاطمہ بنت منذر سے ہشام کا نکاح ہشام کے دنیا میں آنے سے 5 سال پہلے ہی ہو چکا تھا۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

اس شبہے کے ازالہ کے لیے پہلے درج ذیل چند باتیں محفوظ کر لی جائیں:

{1} روایتِ حدیث کا ایک اصول ہے کہ جس راوی کا حافظہ اخیر عمر میں زیادہ بگڑ گیا ہو اور وہ سوءِ حفظ کا شکار ہوگیا ہو یا کثیر الوہم ہوگیا ہو تو اُس کی اخیر عمر کی روایت کردہ احادیث کو چھان بین کیے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ضعیف العمری کے سبب جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ حافظہ میں بھی طبعی تغیر پیدا ہوجائے اور عالم شباب والا حافظہ نہ رہے تو ایسے ثقہ متقن راوی کی ضعیف العمری کی بیان کردہ احادیث ضعیف و نامقبول نہیں ہوں گی۔

عمر کے آخری ایام میں ہشام کے حافظہ میں تغیر ضرور آیا تھا لیکن اتنا تغیر نہیں آیا تھا جسے محدثین اپنی اصطلاح میں اختلاط کہتے ہیں اور جس کے سبب راوی کی روایت نامقبول ہوجاتی ہے اور ایسے راوی کو کثیر الوہم، کثیر الخطا یا سیئ الحفظ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ ہشام کے حافظہ کے بارے میں ناقدینِ حدیث کے اقوال ملاحظہ کیجیے:

صلاح الدین العلائی متوفی 761ھ نے یہ لکھا ہے:

ذکر ابن القطان فی اثناء کلام لہ: "ان ھشاماً ھذا تغیر و اختلط وھذا القول لا عبرۃ بہ لعدم المتابع لہ بل ھو حجۃ مطلقاً، وإن کان وقع شیءمافھو من القسم الذی لم یوثر فیہ شیءمن ذلک۔"

ترجمہ:

ابن القطان نے یہ جو کہا ہے کہ ہشام بن عروہ کے حافظہ میں تغیر ہوگیا تھا اور وہ اشتباہ کے شکار ہو گئے تھے، اِس بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ اِس کے قائل تنہا ابن القطان ہیں۔ ہشام علی الاطلاق حجت تھے۔ اگر حافظہ میں کمی آئی بھی تھی تو ویسی کمی نہیں تھی جو راوی کی حدیث میں اثر انداز ہو۔

[المختلطین: ج۱ص۱۲۶، الناشر: مکتبۃ الخانجی-القاہرۃ]

☆ابن سعد نے ان کو ثقہ، ثبت، کثیر الحدیث اور حجت لکھا ہے۔

[الطبقات:1/320]

☆یحیٰ بن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے۔

☆ابوحاتم نے ثقہ، امام فی الحدیث لکھا ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے کہا ہے کہ ان کی وہ روایت جو انہوں نے اہل عراق سے لی ہے منکر ہے۔

☆امام ذہبی نے فیصلہ کن بات ذکر کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے:

قُلْتُ: الرَّجُلُ حُجَّۃٌ مُطْلَقاً، وَلاَ عِبرَۃَ بِمَا قَالَہُ الحَافِظُ اَبُو الحَسَنِ بنُ

القَطَّانِ مِنْ اَنَّهُ هُو وَ سُهَيْلُ بنُ اَبِی صَالِحٍ اخْتَلَطَا وَتَغَيَّرَا ,فَإِنَّ الحَافِظَ قَدْ يَتَغَيَّرُ حِفْظُه إِذَا كَبِرَ وَتَنْقُصُ حِدَّةُ ذِهْنِهِ, فَلَيْسَ هُوَ فِي شَيْخُوْخَتِه كَهُوَ فِی شَبِيْبَتِه, وَمَا ثَمَّ اَحَدٌ بِمَعْصُوْمٍ مِنَ السَّهْوِ وَ النِّسْيَانِ وَمَا هَذَا التَّغَيُّرُ بِضَارٍّ اَصْلاً وَإِنَّمَا الَّذِی يَضُرُّ الاخْتِلاطُ, وَهِشَامٌ فَلَمْ يَختَلِطْ قَطٌّ هذا امر مقطوع به, وحديثه محتج فی الموطا والصحاح والسنن فَقَوْلُ ابْنِ القَطَّانِ إِنَّهُ اخْتُلِطَ قَوْلٌ مَرْدُوْدٌ مَرذُولٌ فَاَرِنِی إِمَاماً مِنَ الكِبَارِ سَلِمَ مِنَ الخَطَإِ, وَالوَهمِ.فَهَذَا شُعْبَةُ وَهُوَ فِي الذِّرْوَةِ لَهُ اَوهَامٌ وَكَذَلِكَ مَعْمَرٌ وَالاَوْزَاعِیُّ وَمَالِکٌ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِم.

ترجمہ:

وہ مردِ حق (ہشام) روایتِ حدیث کے معاملے میں مطلقاً حجت ہے۔ ابوالحسن بن قطان نے جو کہا ہے کہ ہشام اور سہیل بن ابوصالح دونوں کے حافظے میں اختلاط اور تغیر پیدا ہو گیا تھا، نامعتبر ہے۔ پختہ حافظے کا آدمی بھی جب عمر رسیدہ ہو جاتا ہے تو اُس کے حافظے میں بدلاؤ آجاتا ہے اور ذہن میں وہ تیزی باقی نہیں رہتی جو شباب میں ہوا کرتی ہے۔ ہے کوئی ایسا شخص جو نسیان اور سہو سے محفوظ ہے، اگر ہے تو لاؤ۔ ہشام کے ذہن میں جو تغیر پیدا ہوا تھا وہ بالکل مضر نہیں ہے۔ ذہن میں اختلاط کا پیدا ہونا قبولِ روایت میں مضر ہے، اور یہ بات پکی ہے کہ ہشام کے حافظے میں اختلاط پیدا نہیں ہوا تھا۔ اُن کی حدیثیں مؤطا، کتبِ صحاح وسنن میں منقول قابل حجت ہیں۔ ابن القطان کا قول کہ ہشام کے حافظے میں اختلاط تھا گھٹیا اور نامقبول ہے۔ مجھے کوئی بڑے سے بڑا امام دکھاؤ جو خطا اور وہم سے محفوظ ہو۔ یہ شعبہ ہیں جو چوٹی کے امام ہیں، اُن سے بھی کچھ اوہام صادر ہوئے ہیں۔ اسی طرح امام معمر اور امام مالک کا حال بھی ہے۔ رحمہم اللہ۔

[سیر اعلام النبلاء: ج ٦ ص ١١٠، الناشر: دار الحدیث - القاہرۃ)

{2}اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہشام کو اخیر عمر میں اِختلاطِ حافظہ کی علت عارض ہوگئی تھی تو معترض کو دلیل سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حدیثِ عائشہ کو ہشام نے اختلاطِ حافظہ کا شکار ہونے کے بعد روایت کیا ہے۔ کیوں کہ مختلطین کی وہی روایت نامقبول ہوتی ہے جو وقوعِ اِختلاط کے بعد کی ہوتی ہے۔ قبلِ اختلاط کی روایت نامقبول نہیں ہوتی۔ معترض محترم کے پاس اِس بات پر کوئی دلیل ہے تو لائے کہ حدیثِ عائشہ کو ہشام نے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جسے معترض پیش کر سکے۔ بغیر دلیل کے ہشام بن عروہ کی بیان کردہ حدیثِ صحیحین کو نامقبول ٹھہرانا کہاں تک درست ہے؟ کیا اِسے قصہ کہانی بولنا بہت بڑی جسارت نہیں ہے؟ خصوصاً جب کہ اِس حدیث کے صحیح ہونے سے کسی محدث نے انکار نہیں کیا ہے اور صحیحین سمیت درجنوں کتبِ احادیث بلکہ کتبِ تاریخ وسیر اور کتبِ تراجم وطبقات میں بغیر کسی ردّو انکار کے اسے نقل کیا گیا ہے!

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جن کتبِ تاریخ وسیرت کا حوالہ دے کر اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر سے حضرت عائشہ کی عمر کا تقابل کر کے کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 17 سال اور رخصتی کے وقت 19 سال تھی، اُنہیں کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت 6 یا سات سال اور رخصتی کے وقت 9 سال تھی۔ آ گے چل کر ہم اُن کتابوں کے حوالے بھی اِن شاء اللہ پیش کریں گے۔

کیا حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا درایت کے لحاظ سے نامقبول ہے؟

اب ہم گفتگو کریں گے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے معنی ومفہوم کی صحت وعدم صحت کے تعلق سے، جو کہ درایتِ حدیث کا اہم شعبہ ہے۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اپنے معنی ومفہوم کے لحاظ سے نامقبول ہے۔ اِس پر وہ بزعمِ خویش کچھ دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں۔ اُن دلیلوں کا ہم تنقیدی

جائزہ لیں گے کہ کیا وہ دلیلیں ہیں یا محض شبہات۔

تیسرا شبہہ اور اُس کا جواب:

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول خدا ﷺ پریشان تھے کہ اب کارِ نبوت کی انجام دہی کیسے ہوگی؟ گھر سنبھالا جائے یا تبلیغی ذمہ داریاں پوری کی جائیں؟ گھر کے کام کاج کو سنبھالنے اور اللہ کے نبی کی دو بیٹیوں حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ کی دیکھ بھال کے لیے گھر پہ کسی مربی خاتون کی ضرورت تھی۔ چناں چہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے مشورے سے رسول خدا ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اگر نکاح کے وقت حضرت عائشہ 6 یا سات سال کی تھیں تو نکاح کا جو مقصد تھا وہ کیسے پورا ہوسکتا تھا؟ ایک 6 سات سال کی بچی گھر کے کام کاج کیسے سنبھال سکتی تھی اور حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ جو حضرت عائشہ سے عمر میں بڑی تھیں وہ دونوں کی دیکھ بھال کیسے کرتی؟۔ معلوم ہوا کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر 6 یا سات سال نہیں تھی۔

اِس عقلی استدلال کا ذرا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ پہلی بات تو یہی غلط ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حضور علیہ السلام نے اپنا گھر بار سنبھالنے اور دونوں بیٹیوں کی دیکھ بھال کے لیے کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے سے پہلے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے گھر سنبھالنے کے لیے ایک تجربہ کار بیوہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا تھا۔ چناں چہ تاریخِ طبری میں ہے:

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سودۃ فی رمضان سنۃ عشر من النبوۃ بعد وفاۃ خدیجۃ وقبل ان یتزوج عائشۃ۔

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے دسویں سال حضرت خدیجہ کی وفات کے

بعد حضرت عائشہ سے نکاح کرنے سے پہلے حضرت سودہ سے نکاح فرمایا تھا (رضی اللہ عنہن)۔

☆ تاریخ طبری ہی میں ہے:

فکانت اول امرء ة تزوجها رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد خدیجة۔

سودہ سب سے پہلی خاتون تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح کیا تھا۔

(تاریخ طبری، ج۱۱،ص۶۰۰، ذکر تاریخ وفاہ ازواج رسول اللہ ص اللاتی توفین بعدہ، الناشر: دار التراث - بیروت)

ابن الاثیر نے یہ لکھا ہے:

فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ خَدِيجَةُ نَكَحَ بَعْدَهَا سَوْدَةَ بِنْتَ زَمَعَةَ۔

ترجمہ:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول خدا ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔

[الکامل فی التاریخ: ج۲،ص۱۷۰، ذکر حجۃ الوداع، الناشر: دار الکتاب العربی - بیروت)

☆ ابن قتیبہ دینوری متوفی 276ھ نے یہ لکھا ہے:

وتزوّج النبیّ صلّی الله علیه وسلم بعد خدیجة سودة بنت زمعة.

☆ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد نبی کریم ﷺ نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا تھا۔

[المعارف: ج۱،ص۱۳۳، نسب رسول ﷺ، ازواج النبی ﷺ، الناشر: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، القاہرۃ)

☆ علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ تحریر فرمایا ہے:

بنی بسودة بمكة وعائشة یومئذ بنت ستّ سنین حتی بنی بها بعد

ذلک حین قدم المدینة۔

ترجمہ:

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے مکہ ہی میں رخصتی کرائی تھی اور اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی تھیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

[الاصابة فی تمییز الصحابة: ج ۸، ص ۱۹۶، کتاب النساء، حرف السین المھملة، القسم الاول، سودة بنت زمعة، الناشر: دار الکتب العلمیة بیروت)

اِس کے علاوہ ابن حبان نے ''السیرة النبویة'' میں، ابن حزم نے ''جواھر السیرة العلمیة'' میں اور دیگر محققین نے یہی لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ اگر ضعیف روایت کے مطابق یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت سودہ سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا تو بھی اِس سے معترض کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، کیوں کہ حضرت عائشہ اور حضرت سودہ دونوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کے دسویں سال نکاح فرمایا تھا۔ حضرت سودہ سے نکاح پہلے ہوا ہو یا بعد میں بہر حال مکہ مکرمہ میں گھر بار سنبھالنے کا مقصد حضرت سودہ سے پورا ہو رہا تھا، کیوں کہ مکہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی ہی نہیں تھی۔ لہٰذا مذکورہ بالا تاریخی حوالوں کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ یہ مفروضہ سرے سے غلط ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا گھر بار سنبھالنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ معترض کے کہنے کے مطابق اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عائشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کا مقصد گھر سنبھالنا تھا اور یہ بھی مانا جائے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر 17 سال تھی تو بھی تو بروقت نکاح کا مقصد

حاصل نہیں ہوسکا تھا، کیوں کہ ہجرت سے پہلے ماں عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے گھر گئیں نہیں، ہجرت کے تقریبا اٹھارہ مہینے کے بعد اللہ کے نبی کے گھر آئیں ۔ جب ہجرت سے پہلے اللہ کے نبی ﷺ کے گھر گئیں ہی نہیں تو ہجرت سے پہلے مکہ میں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ نبی کا گھر بار سنبھالنے کی بات کہاں بنی؟ ۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حضور ﷺ نے اپنا گھر بار سنبھالنے کے لیے نہیں کیا تھا، اُس نکاح سے حکم الٰہی کی تعمیل مقصود تھی جس میں خدا کی بے شمار حکمتیں پوشیدہ تھیں ۔ چند حکمتوں کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم یہاں پر اختصار کے ساتھ اجاگر کرنا چاہتے ہیں، ملاحظہ کریں:

پہلی حکمت:

تاریخ شاہد ہے کہ اعلانِ نبوت کے دسویں سال سے ہجرت تک کا زمانہ پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ کٹھن اور خطرناک تھا۔ لمحہ بہ لمحہ کفار ومشرکین کا ظلم وستم بڑھتا جارہا تھا۔ سرزمینِ مکہ میں اسلام کے نام لیواؤں کا جینا تقریباً ناممکن ہورہا تھا۔ حتی کہ ہرروز پیغمبر اسلام ﷺ کے قتل کے نئے نئے منصوبے بنائے جارہے تھے۔ مکہ کے پرخطر ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی جان کی حفاظت کے لیے قریش کے ایک ایسے بااثر معزز سردار کو منتخب فرمایا جسے اپنی جان دینا گوارا تھا لیکن اپنے آقا ﷺ کے جسم اطہر میں دشمن کی طرف سے ذرا سی کھرونچ بھی آئے اُسے ہرگز گوارا نہ تھا۔ کفار ومشرکین کے بڑے بڑے سورماوں کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اُس مردِ آہن کے سامنے رسولِ خدا ﷺ کی طرف نگاہِ بد اٹھا کر دیکھ سکیں۔ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے ابوجہل جیسے سردارِ مکہ کے غرور کو خاک میں ملادیا تھا۔ جب کفارِ مکہ کے سارے قبیلے مل کر رسول اللہ ﷺ کو جان سے مارنے کی پلاننگ کررہے تھے تو امر الٰہی کے تحت رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کم سن بچی کو اپنی زوجیت میں لے کر نہ

صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنی محبت کے رشتے کو مضبوط فرمایا، بلکہ اُس نکاح کے توسط سے خاندانِ قریش کے بااثر گھرانے سے آپ ﷺ کا سسرالی رشتہ قائم ہوا جس کے سبب آپ کی جان کو لاحق خطرات میں ایک حد تک کمی بھی آئی اور ہجرتِ مدینہ کی راہ آسان ہوگئی۔

دوسری حکمت:

علم دین حاصل کرنا جس طرح مردوں پر فرض ہے اُسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ مردوں کے بھی رسول اور معلم ہیں اور عورتوں کے بھی۔ شرعی احکام مردوں کے لیے بھی ہیں اور عورتوں کے لیے بھی، مگر کچھ احکام عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ مثلاً حیض ونفاس سے پاکی کے احکام عورتوں کے لیے خاص ہیں۔ اسلام کا سب سے اہم حصہ پاکی ہے اور اسی پر عبادتوں کا مدار ہے۔ عورتوں کو بہت سے مخصوص مسائل کی تعلیم دینے کی لیے اللہ کے رسول ﷺ کو ایک بے مثال ذہین وفطین خاتون کی ضرورت تھی جو آپ کی زوجیت میں آکر، خلوت وجلوت میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہ کر، دین کے احکام اللہ کے نبی ﷺ سے براہِ راست حاصل کر کے امتِ مسلمہ کی عورتوں کو منتقل کرنے کا فریضہ انجام دے سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کم عمری ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خدا نے قوتِ حافظہ، جودتِ فکر اور حکمت ودانائی کا اتنا وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام بھی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ سے نبوی علوم کا اکتساب کیا کرتے تھے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ امت کو نصف دین ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ احادیث نبویہ امت کو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے حاصل ہوئی ہیں۔

جلیل القدر صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما اشکل علینا اصحاب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حدیث قط فسألنا عائشۃ إلا وجدنا عندھا منہ علماً۔

ترجمہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو کسی بھی حدیث کے بارے میں کچھ مشکل پیش آتی تھی تو ہم اُس کا حل عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ضرور پاتے تھے۔

[سنن الترمذی: حدیث ۳۸۸۳، ج۶، ص ۱۸۲، ابواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب من فضل عاءشۃ رضی اللہ عنہا،]

مسروق جو اکابرِ تابعین میں شمار ہوتے تھے، اُن سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علمِ میراث بہت اچھا آتا تھا تو انہوں نے جواب دیا:

لَقَدْ رَاَیْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ الاکابر یسالونھا عن الفرائض۔

میں نے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا ہے حضرت عائشہ سے فرائض کے مسائل سیکھا کرتے تھے۔

[تاریخ ابوزرعہ دمشقی: ج۱، ص ۴۹۴، ذِکْرُ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم، الناشر: مجمع اللغۃ العربیۃ- دمشق]

امام زہری کا قول ہے: وقال الزهري: لو جمع علم عائشة إلى علم جميع أمهات المؤمنين وعلم جميع النساء لكان علم عائشة أفضل

ترجمہ:

اگر تمام ازواج مطہرات اور دنیا کی تمام عورتوں کے علم کو یکجا کیا جائے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب سے زیادہ ہوگا۔

[الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ: عائشۃ بنت أبی بکر الصدیق، ج۸، ص ۲۳۳، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت)

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ احادیث اور تاریخ وسیرت کی مستند کتابوں سے

ثابت ہے کہ رسول خدا ﷺ کی وفات کے وقت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال تھی۔9 سال تک حضور ﷺ کے حریم ناز میں رہیں اور حضور کی وفات کے بعد 48سال باحیات رہیں اور 66سال کی عمر میں وفات ہوئی۔9 سال کی مدت میں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کے نبی ﷺ سے دین سیکھنے کا جو موقع حاصل ہوا وہ کسی اور خاتون کو میسر نہ ہوا۔پھر اللہ کے نبی ﷺ کی وفات کے بعد 48 سال کی طویل مدت تک اللہ کے نبی ﷺ کی خلوت وجلوت کو دیکھنے والی جس شخصیت سے امت کو دین سیکھنے کا موقع میسر آیا وہ صرف ماں عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔اگر یہ مانا جائے کہ رخصتی کے وقت ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 19 سال تھی تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے وقت ان کی عمر 28 سال ہوگی، حالاں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خود بیان ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت میری عمر اٹھارہ سال تھی۔

[صحیح مسلم: بَابُ تَزْوِيجِ الأَبِ الْبِكْرَ الصَّغِيرَةَ، حدیث ۱۴۲۲، ج ۲ ص ۱۰۳۹، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت]

حدیث، سیرت اور تاریخ کی تمام امہاتِ کتب کو چھان ڈالئے کہیں بھی کوئی ایک روایت ایسی نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے وقت ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 28 سال تھی۔تمام کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے وقت اُن کی عمر 18 سال تھی۔اِس سے صاف معلوم ہوا کہ رخصتی کے وقت عمر 9 سال تھی۔

تیسری حکمت:

زمانۂ جاہلیت میں یہ تصور عام تھا کہ اگر کوئی آدمی کسی کو اپنا بھائی کہہ دے تو اُس کی بیٹی سے اُس کا نکاح جائز نہیں۔چناں چہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جب ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا تو

انہوں نے پہلے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ نے تو مجھے اپنا بھائی کہا ہے، پھر میری بیٹی عائشہ سے آپ کا نکاح کیوں کر ہوسکتا ہے؟ رسولِ خدا ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ ابوبکر میرا اسلامی بھائی ہے اور نسبی بھائی کی بیٹی سے نکاح ناجائز ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نکاح کرانے پر راضی ہوگئے اور نکاح ہوگیا۔ رسول خدا ﷺ نے اپنے اِس عمل کے ذریعہ ایک جاہلی تصور کا خاتمہ فرمایا جو ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کے ذہنوں میں بسا ہوا تھا ۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی سمجھنے کا ہے کہ شادی کے پیغام پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہلے اِس بات پر تو تعجب ہوا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھائی فرماتے ہیں پھر میری بیٹی عائشہ سے نکاح بھی فرمانا چاہتے ہیں، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِس بات پر کوئی تعجب نہیں ہوا کہ اُن کی کم سن بیٹی سے اللہ کے رسول ﷺ نکاح فرمانا چاہتے ہیں ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو معیوب بھی نہیں سمجھا بلکہ انہوں نے اس کو اپنے لیے قابلِ فخر اور باعثِ عزت وکرامت تصور کیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ جس معاشرے میں یہ نکاح ہوا تھا اُس میں ایسے با کرامت اور باعث فخر رشتے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

چوتھی حکمت:

رسولِ خدا ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُن کی کم عمری میں شادی کر کے سِنِّ بلوغِ صغیرہ، نکاحِ صغیرہ، ولایتِ نکاحِ صغیرہ، خیارِ فسخِ نکاح ،اقلِ مدتِ حمل، عدتِ صغیرہ، ابتداءِ حیض وغیرہ بہت سے فقہی مسائل کی تخریج وتفریع کی راہیں فقہائے اسلام کے لیے کھول دی ہیں جس سے تا قیامت امتِ مسلمہ کو رہنمائی ملتی رہے گی۔ چناں چہ محدثین کرام نے حدیث عائشہ کو متعدد فقہی عنوانات قائم کر کے نقل کیا ہے۔ مثلا:

باب انكاح الرجل ولده الصغار۔باب تزويج الاب ابنته من

الامام۔باب تزويج الاب البكر الصغيرة۔ باب من بنى بامرأة وهى بنت تسع،وغيره۔

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُن کے بلوغ کے بعد نکاح فرماتے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خلوت وجلوت سے 9 سال تک مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا اور جتنے شرعی احکام ومسائل واحادیث ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے امتِ مسلمہ کو حاصل ہوئے ہیں وہ حاصل نہ ہوتے۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی حکمتیں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں مخفی ہیں۔ اس نکاح کے بارے میں جتنا غور کیا جائے گا اُتنے ہی فوائد وحکمتوں کے رموز کھلتے جائیں گے۔

چوتھا شبہہ اور اُس کا جواب:

6 سال کی کم سن بچی سے نکاح کرنا اور 9 سال کی عمر میں اُس کی رخصتی کر دینا سماجی واخلاقی اعتبار سے پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ جو عمل معاشرتی اوراخلاقی طور پر ناپسندیدہ ہو اُسے اللہ کا ایک اولوالعزم پیغمبر بلکہ تمام پیغمبروں کا سردار انجام دے؟

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ ہر دور میں، ہر معاشرے میں اور ہر حال میں کم عمری کا نکاح معیوب نہیں رہا ہے۔نکاح کا ایک پہلو معاشرتی بھی ہے جسے اسلام نے یکسر نظر انداز نہیں کیا ہے۔اگر چہ اسلام کم عمری کے نکاح کی ترغیب نہیں دیتا لیکن کچھ استثنائی صورتوں میں ایسا نکاح ہوجائے تو وہ شریعت اسلامیہ میں ناجائز بھی نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اِس نکاح کے ذریعہ ایک اسلامی قانون امتِ مسلمہ کو دیا ہے کہ نکاح کے صحیح اور جائز ہونے کی لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔جس معاشرے میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا اُس معاشرے میں اگر چہ کم عمری میں نکاح کرنے کا عام رواج نہیں تھا

لیکن بعض مخصوص حالات میں یہ نکاح ہوتا تھا تو معاشرے میں اُسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔اگر ہونے والا داماد لڑکی کے ماں باپ اور خاندان کے لیے قابل فخر اور باعثِ عظمت ہوتا تو اگرچہ لڑکی کم عمر ہوتی اُس کا نکاح کر دیتے تھے، پھر بلوغ کے بعد اُسے شوہر کے گھر بھیجتے تھے۔خود راقم غفرلہ نے اپنے علاقے میں آج سے تقریبا چالیس سال پہلے بعض معزز گھرانوں میں لڑکیوں کی بعض ایسی شادیاں دیکھی ہیں ۔اُن شادیوں کو معاشرے میں معیوب نہیں سمجھا گیا تھا،لیکن اب وہ حالات نہیں رہے۔اب تو حال یہ ہوگیا ہے کہ اونچی تعلیم کے نام پر شادی کی عمر گزر جانے پر بھی لڑکیوں کی شادی نہیں کی جاتی اور آئے دن ملک کے اخباروں میں اِس قسم کی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں 16 سال کی نابالغ لڑکی کے ساتھ سامو ہِک بلاتکار۔۔ماں باپ نے لگائی انصاف کی گوہار۔۔

جس ماحول میں 16، 17 سال کی لڑکی کو بھی نابالغ کہا جاتا ہو اور اُس عمر میں بھی شادی کو ممنوع سمجھا جاتا ہو اُس ماحول میں 9 سال کی لڑکی کا نکاح ماڈرن لوگوں کو معیوب لگے تو کیا تعجب ہے؟ایسے معاشرے کو اسلامی قانون نکاح سے کیا سروکار ہے؟اور اسلام کو ایسے ماڈرن سماج کے پسند و ناپسند سے کیا لینا دینا ہے؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے 6 یا 7 سال کی عمر میں شادی کر کے اور 9 سال کی عمر میں رخصتی کرا کے عملاً مسلمانوں کو یہ قانون دیا ہے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔نیز یہ کہ 9 سال کی عمر میں بھی بعض لڑکیاں بالغ ہوجاتی ہیں اور اُن کا شعور وادراک درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور اس سے وہ شرعی احکام متعلق ہوجاتے ہیں جو ایک بڑی عمر کی عورت کے لیے لازم ہیں۔آج بھی بعض کم عمر لڑکے لڑکیاں شعور کی پختگی اور قوتِ حافظہ میں بعض بڑی عمر کے مردوں اور عورتوں سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کے لیے اللہ کی طرف سے خاص نعمت تھیں۔نوعمری کے باوجود اُن کے فضل وکمال کا کیا پوچھنا تھا!

بعض حالات میں کم عمر لڑکیوں کی شادی صرف اہل عرب ہی نہیں کرتے تھے بلکہ قدیم بھارت میں بھی ایسا ہوتا تھا۔قدیم بھارت میں ہندوؤں میں ایک قسم کی شادی کا رواج تھا جسے ’’**دیووِواہ**‘‘ کہا جاتا تھا۔گاؤں دیہات کے لوگ کبھی کبھی اپنے گھر پہ رِشیوں کو بلا کر یگ کرواتے تھے اور رِشیوں کے ساتھ آئے ہوئے کسی پروہیت سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیتے تھے۔اُس نکاح کو وہ ’’**دیووِواہ**‘‘ کہتے تھے۔ایسی شادی میں کبھی کبھار کم عمر بچی کو بھی کسی پروہیت کے نکاح میں دے دیا جاتا تھا، پھر بھی اُس شادی کو ناپسند نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ بابرکت تصور کیا جاتا تھا۔

ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کو لے کر پیغمبر اسلام کی ذات کو نشانہ بنانے والے شدت پسند ہندوؤں کو سوچنا چاہئے کہ اُن کی مذہبی کتاب ’’**بال میکی رامائن**‘‘ کے مطابق رام چندر جی نے جس وقت سیتا جی سے شادی کی تھی اُس وقت رام چندر جی کی عمر 13 سال اور سیتا جی کی عمر 6 سال تھی۔

رام چندر کے چھوٹے بھائی لچھمن کی شادی سیتا کی چھوٹی بہن اُرمیلا سے اُسی دن ہوئی تھی جس دن رام کی شادی سیتا سے ہوئی تھی۔اگر یہ دونوں شادیاں قابل اعتراض نہیں ہیں تو ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی پر اعتراض کیوں؟ یہ بات ہم نے صرف مخالفین کو الزامی جواب دینے کے لیے کہی ورنہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا عمل وحیِ الٰہی پر مبنی تھا،اُس کا موازنہ کسی اور سے کرنا اسلام میں قطعاً درست نہیں ہے۔

رام نے 6 سال کی سیتا سے شادی کیوں کی تھی اس کا جواب تو وہی لوگ دیں گے جو رام کے نام پر مذہبی منافرت پھیلاتے ہیں،لیکن قدیم بھارت کی سنسکرتی کے مطالعہ سے جو بات میری سمجھ میں آئی ہے وہ میں یہاں بیان کر رہا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جس وقت رام کی شادی سیتا سے ہوئی تھی اُس وقت عام طور پر 6،سات سال کی لڑکی کی شادی نہیں کی جاتی تھی لیکن کسی خاص مقصد سے باپ اگر اپنی کم سن لڑکی کی شادی کر دیتا تھا تو معاشرہ میں اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔سیتا

کے والد جنک کو ایک ایسے داماد کی تلاش تھی جو اُس کی رعایا میں سب سے بڑا بہادر اور طاقت ور ہو۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے عام اعلان کروایا دیا تھا کہ ان کے دربار کا بھاری بھر کم شیو دَھنُش جو توڑ دے گا اُس سے وہ اپنی لاڈلی بیٹی سیتا کی شادی کر دیں گے۔ پوری رعایا میں تنہا رام دھنش توڑنے میں کامیاب ہوئے تو راجا جنک نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کی بیٹی سیتا کی عمر 6 سال ہے، انہوں نے رام سے اپنی پُتری کے وِواہ کو اپنے لیے قابل فخر سمجھا اور سماج میں بھی اس شادی کو معیوب نہیں سمجھا گیا، اگر چہ ایسا ممکن ہے عام طور پر کم عمری کی شادی اُس معاشرے میں پسند نہیں کی جاتی تھی۔ بلاتشبیہ اگر چہ اہلِ عرب میں کمسن لڑکیوں کے نکاح کا عام رواج نہیں تھا، لیکن کبھی کبھار کسی خاص مقصد سے ایسا نکاح ہوتا تھا تو معاشرے میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مشرکینِ مکہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی کی، انہیں ہر طرح سے اذیت پہنچائی، گالیاں دیں، جادوگر کہا، کاہن کہا، مجنوں کہا لیکن کسی دشمنِ رسول نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کو بُرا نہیں کہا اور اس نکاح کے سبب کسی نے اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق اور پاک دامنی پر کیچڑ اچھالنے کی جرأت نہیں کی۔ جس دور میں اللہ کے رسول ﷺ نے ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا اُس دور میں کسی دشمن اسلام نے اس کو معیوب قرار نہیں دیا تھا تو بعد کے دور میں کسی سر پھرے کا اعتراض کس شمار میں ہوگا؟ حالاں کہ اگر اُس دور میں بھی کسی کا کوئی اعتراض ہوتا تو اسلام اسے قطعاً قابل توجہ قرار نہ دیتا کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا قول و عمل حکم الٰہی پر مبنی تھا جو کہ اسلام کا اٹوٹ حصہ ہے، یہ ہر مسلمان کا مضبوط عقیدہ ہے۔

ماں عائشہ رضی اللہ عنہا 9 سال کی عمر میں رخصتی کی قابل ہوگئی تھیں اِس بات کو ماننے میں کسی مسلمان کو تردد نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ مسلمان جب یہ مانتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اللہ کے حکم سے کیا تھا تو اِس بات کو ماننے میں کیا استحالہ ہے کہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کم عمری

میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قابل بھی بنا دیا تھا۔قرآنی ارشاد کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے کمالِ نشوونما کا یہ حال تھا کہ عام بچوں کا شعور وادراک جتنا ایک سال میں پروان چڑھتا ہے اُتنا حضرت مریم علیہا السلام کا ایک دن میں ہوجاتا تھا۔جب مسلمانوں کو اللہ کی قدرت سے یہ چیز بعید نہیں لگتی تو یہ بات کیوں بعید محسوس ہوگی کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو 9 سال کی عمر میں وہ ذہنی وطبعی کمال حاصل ہوگیا تھا جو عمر رسیدہ عورتوں کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔پھر یہ بات طبی اعتبار سے بھی محال نہیں ہے۔کچھ لڑکیاں 9 سال کی عمر میں ہی بالغ ہوجاتی ہیں۔تاریخ میں ایسی کئی عورتوں کا ذکر ملتا ہے جو 9 سال کی عمر میں حاملہ ہوچکی تھیں۔

اماشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَاَیۡتُ بِصَنۡعَاءَ جَدَّۃً بِنۡتَ إِحۡدَی وَعِشۡرِینَ سَنَۃً حَاضَتِ ابۡنَۃَ تِسۡعٍ وَوَلَدَتِ ابۡنَۃَ عَشۡرٍ وَحَاضَتِ الۡبِنۡتُ ابۡنَۃَ تِسۡعٍ وَوَلَدَتِ ابۡنَۃَ عَشۡرٍ۔

ترجمہ:

میں نے مقامِ صنعاء میں ایک ایسی عورت کو دیکھا جو 21 سال کی عمر میں نانی بن چکی تھی۔اُس کو 9 سال میں حیض آنے لگا تھا اور 10 سال کی عمر میں اُس کو ایک بیٹی ہوگئی تھی۔پھر اُس کی بیٹی کو 9 سال میں حیض آگیا تھا اور وہ بھی 10 سال کی عمر میں بچے کی ماں بن گئی تھی۔

[السنن الکبریٰ للبیہقی: ج۱،ص۷۶۴،رقم حدیث۱۵۳۱،بَابُ السِّنِّ الَّتِی وُجِدَتِ الۡمَرۡأَۃ حَاضَتۡ فِیہَا،الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔لبنات]

صحیح بخاری میں حسن بن صالح متوفی 100ھ کا یہ قول منقول ہے:

اَدۡرَکۡتُ جَارَۃً لَنَا جَدَّۃً بِنۡتَ إِحۡدَی وَعِشۡرِینَ سَنَۃً۔

ترجمہ:

میری ایک پڑوسن 21 سال کی عمر میں نانی بن چکی تھی۔

[بخاری: ج ۳،ص ۱۷۷، کتاب الشھادات، باب بلوغ الصبیان وشھادتھم ،الناشر: دار طوق النجاۃ]

عبّاد بن عباد مُہلّبی متوفی 181ھ نے یہ بیان کیا ہے:

اَدْرَكْتُ فِينَا يَعْنِي الْمَهَالِبَةَ امْرَاَةً صَارَتْ جَدَّةً وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَدَتْ لِتِسْعِ سِنِينَ ابْنَةً فَوَلَدَتِ ابْنَتُهَا لِتِسْعِ سِنِينَ فَصَارَتْ هِيَ جَدَّةً وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِ عَشْرَةَ سَنَةً۔

ترجمہ:

ہم مُہلّبیوں میں، میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا جو اٹھارہ سال کی عمر میں نانی بن گئی تھی۔ اُس نے نو سال کی عمر میں ایک بیٹی کو جنا پھر اس کی بیٹی نو سال میں بچے کی ماں بن گئی، اس طرح سے وہ عورت اٹھارہ سال میں نانی بن گئی۔

[سنن الدارقطنی: ج ۴،ص ۵۰۲، حدیث ۳۸۸۱، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت-لبنان]

اس سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول گزرا اس کو امام عسقلانی نے بھی فتح الباری میں نقل فرمایا ہے۔خود ماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَهِيَ امْرَاَةٌ "تَعْنِي وَاللهُ اَعْلَمُ فَحَاضَتْ فَهِيَ امْرَاَةٌ۔

جب کسی لڑکی کو نو سال کی عمر میں حیض آجائے تو وہ عورت (بالغہ) ہے۔

[السنن الکبریٰ للبیہقی: ج ۱،ص ۴۷۶، رقم حدیث ۱۵۳۱، بَابُ السِّنِّ الَّتِي وُجِدَتِ الْمَرْأَةُ حَاضَ فِيهَا، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنات]

لندن کی ایک میگزین ''ہیلدی فوڈ گائیڈ'' کے اپریل 2022 کے شمارے میں ایڈیٹر میلانی لیشون Melanie Leyshon (نے ایک آرٹیکل چھاپا ہے جو ڈاکٹر ایڈیل Adiele) لندن کا مصدقہ ہے، جس کا عنوان یہ ہے:

How and what to tell your kids about periods.

اس آرٹیکل میں لیشون نے یہ لکھا ہے کہ کچھ لڑکیوں کو 8 اور 12 سال کے بیچ میں بھی حیض آ سکتا ہے۔ لیشون لکھتی ہیں:

Typically girls start their periods when they,re around 12years old,but everyone is diffrent.Some get their periods when they,re only 8,while others get them as late as 15 or 16

ترجمہ:

عام طور پر لڑکیوں کو 12 سال کے درمیان حیض شروع ہوجاتا ہے، لیکن ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ کچھ لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو 8 سال میں حیض آجاتا ہے۔ جب کہ اور لڑکیوں کو دیر سے یعنی 15 یا 16 سال میں حیض شروع ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُن کی کم عمری میں جو نکاح ہوا تھا اُس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، نیز جس زمانے اور جس معاشرے میں وہ نکاح ہوا تھا اُس میں اِس قسم کے نکاح کو سماجی یا اخلاقی طور پر بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا، اگرچہ اِس طرح کے نکاح کا عام رواج نہیں تھا۔ قدیم بھارت میں بھی اِس طرح کی شادی کو نہ مذہبی اعتبار سے ممنوع قرار دیا جاتا تھا نہ ہی بھارتی سنسکرتی کے خلاف تصور کیا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی تاریخی روایتوں کی روشنی میں:

تمام کتب تاریخ اور کتب سیرت وطبقات میں بھی یہی لکھا ہے کہ ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی 6 یا 7 سال کی عمر میں اور رخصتی 9 سال کی عمر میں ہوئی تھی ، اِس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام ابن کثیر اپنی مشہور زمانہ کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُ تَزَوَّجَهَا وهي ابنت سِتِّ سِنِينَ وَبَنَى بِهَا وَهِيَ ابْنَةُ تِسْعٍ مَا لَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَ النَّاس وَقَدْ ثَبَتَ فِي الصِّحَاحِ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا جب وہ 6 سال کی تھیں اور اُن سے خلوت فرمائی تھی جب وہ نو سال کی تھیں، اِس قول میں لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بات حدیث کی کتب صحاح وغیرہ میں بھی ثابت ہے۔

[البدایہ والنہایہ: ج ۳، ص ۱۳۱، اسلام قبل الہجرۃ، فصل فی تزوجہ علیہ السلام بعد خدیجۃ رضی اللہ عنہا بعائشۃ بنت الصدیق وسودۃ بنت زمعۃ رضی اللہ عنہا، الناشر: دار الفکر]

ابن الاثیر نے یہ لکھا ہے:

فَأَمَّا عَائِشَةُ فَكَانَتْ يَوْمَ تَزَوَّجَهَا صَغِيرَةً بِنْتَ سِتِّ سِنِينَ۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا تو اس وقت وہ 6 سال کی نابالغ لڑکی تھیں۔

[الکامل فی التاریخ: ج ۲، ص ۱۷۰، ذِكْرُ عَدَدِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَرَارِيهِ وَأَوْلَادِهِ، الناشر: دار الکتاب العربی، بیروت۔لبنان]

ابن قتیبہ دینوری متوفی 276ھ نے یہ لکھا ہے:

و كان تزوّجه إياها بمكة وهي بنت ستّ سنين ودخل بها بالمدينة وهي بنت تسع سنين۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں نکاح فرمایا تھا جب کہ وہ چھ سال کی تھیں اور مدینہ میں رخصتی کروائی تھی جب کہ وہ نو سال کی ہو چکی تھیں۔

[المعارف: ج ۱، ص ۱۳۴، أزواج النبی صلّی اللہ علیہ وسلم، الناشر: الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، القاہرۃ]

اس کے علاوہ درج ذیل کتبِ تاریخ وسیر وطبقات میں بھی 6 سال کی عمر میں شادی اور نو سال کی عمر میں رخصتی کی بات لکھی ہوئی ہے:

{1} المنتظم فی تاریخ الملوک والامم: جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی: 597ھ

{2} تاریخ الاسلام: شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی المتوفی: 748ھ

{3} خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: علی بن عبداللہ بن احمد الحسنی السمہودی المتوفی: 911ھ

{4} امتاع الاسماع: احمد بن علی بن عبدالقادر، ابوالعباس الحسینی، تقی الدین المقریزی المتوفی: 845ھ

{5} الانوار فی شمائل النبی المختار: محیی السنۃ، ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی متوفی: 516ھ

{6} الخصائص الکبریٰ: عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی المتوفی: 911ھ

{7} السیرۃ الحلبیۃ: علی بن إبراہیم بن احمد الحلبی، ابوالفرج، نور الدین ابن برہان الدین متوفی: 1044ھ

{8} السیرۃ النبویۃ واخبار الخلفاء: محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ التمیمی ابوحاتم الدارمی البُستی المتوفی: 354ھ

{9} بھجۃ المحافل: یحیی بن ابی بکر بن محمد بن یحیی العامری الحرضی المتوفی: 893ھ

{10} تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس: حسین بن محمد بن الحسن الدِّیار بَکْری المتوفی: 966ھ

{11} جوامع السیرۃ العلمیۃ: ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی

القرطبی الظاہری المتوفی :456ھ

{12}حقائق الانوار ومطالع الاسرار:محمد بن عمر الحضرمی الشافعی المتوفی :930ھ

{13} دلائل النبوۃ:ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی :430ھ

{14} سبل الھدیٰ والرشاد:محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی :942ھ

بطور نمونہ ایک درجن سے زائد کتابوں کے نام ذکر کئے گئے ورنہ اور بھی درجنوں کتب تاریخ وسیرت کے نام لیے جاسکتے ہیں جن میں یہی بات مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 6 سال اور رخصتی 9 سال کی عمر میں ہوئی تھی۔

پانچواں شبہہ اور اس کا جواب:

کتبِ تاریخ میں یہ بات مذکور ہے کہ حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں دس سال بڑی تھیں۔حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر سو سال ہوئی ہے۔اُن کی وفات 73ہجری میں ہوئی ہے۔اِس حساب سے ہجرت کے وقت اُن کی عمر 27 سال ہوتی ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 17 سال بنتی ہے اور رخصتی کے وقت 19 سال۔احادیث کے مطابق نکاح سات سال اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی ہے لیکن تاریخی روایتوں کے مطابق رخصتی 19 سال کی عمر میں ہوئی ہے اور محدثین کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث سنداً صحیح ہو لیکن اُس کا متن تاریخ کے خلاف ہو تو اُس حدیث کو نامقبول قرار دیا جاتا ہے۔یہاں بھی نو سال میں رخصتی والی روایت اگرچہ سنداً صحیح ہے لیکن تاریخ کے خلاف ہے اس لیے اِس کو نامقبول قرار دیا جائے گا۔

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ محدثین کرام کا اصول اپنی جگہ مسلم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر قسم کی تاریخی روایت جو صحیح حدیث سے ٹکرائے تو صحیح حدیث کے مقابلے میں تاریخی روایت کو قبول کیا جائے گا اور صحیح حدیث کو رد

کر دیا جائے گا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حدیثِ صحیح کے مقابلے میں اُسی تاریخی روایت کو قبول کیا جائے گا جو مستند اور مسلم ہو۔ جیسا کہ امام ذہبی نے "**تذکرۃ الحفاظ**" میں یہ لکھا ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہودیوں نے ایک تحریر بھیجی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے آزاد فرما دیا تھا۔ اُس تحریر پہ چند صحابہ کو بطورِ گواہ پیش کیا گیا تھا۔ اُن گواہوں میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ جب یہ تحریر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی گئی تو فرمایا: "**ھذا مزور**" یہ تحریر جھوٹی ہے۔ پوچھا گیا، آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ تو فرمایا: اِس میں بطور گواہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا نام ہے حالاں کہ وہ فتح خیبر کے بعد اور فتح مکہ کے وقت اسلام لائے ہیں اور اِس تحریر میں سعد بن معاذ کا نام بھی ہے حالاں کہ فتح خیبر سے دو سال قبل اُن کی وفات ہو چکی ہے۔

[تذکرۃ الحفاظ: ج ۳، ص ۲۲۴، الطبقۃ الرابعۃ عشرۃ: الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت۔لبنان]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی جانب منسوب اُس تحریر کو اِس لیے جعلی قرار دیا تھا کہ وہ مسلم و مستند تاریخ کے خلاف تھی۔ اس تحریر میں گواہ کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام تھا حالاں کہ وہ فتح خیبر کے وقت مسلمان نہیں تھے، وہ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے تھے اور خیبر کے یہودیوں پر فتح خیبر کے وقت جزیہ لاگو ہوا تھا، تو اِس سلسلے میں ایک ایسے شخص کی گواہی کیوں کر معتبر ہو سکتی ہے جو گواہ بنتے وقت مسلمان ہی نہیں تھا؟۔ اسی طرح اُس تحریر میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو گواہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا حالاں کہ وہ فتح خیبر سے دو سال پہلے یعنی خیبر کے یہودیوں پر جزیہ نافذ کیے جانے سے دو سال پہلے ہی وفات پا چکے تھے تو خیبر کے یہودیوں سے جزیہ اٹھائے جانے کی کسی تحریر پر ان کے گواہ ہونے کا کیا سوال ہے؟

حاصلِ کلام یہ ہے کہ محدثین کے اصول کے مطابق صحیح حدیث کے مقابلے میں اُسی تاریخی روایت کو ترجیح دی جائے گی جو مستند و مسلم ہو اور وہ صحیح حدیث سے زیادہ پختہ واسطوں سے امت تک پہنچی ہو۔ اگر صحیح حدیث کے خلاف کوئی تاریخی روایت غیر مسلم وغیر مستند ہو یا مستند ہو لیکن اس کی سند، حدیثِ صحیح کی سند کے مقابلے میں کمزور ہو تو حدیثِ صحیح ہی کو اختیار کیا جائے گا اور تاریخی روایت کو مسترد کر دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دس سال بڑی تھیں، یہ ایسی مستند و مسلم تاریخی روایت نہیں ہے کہ اُس کے سبب اُس صحیح حدیث کو نامقبول ٹھہرایا جائے جس میں یہ مذکور ہے کہ نکاح کے وقت ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 6 یا 7 سال اور رخصتی کے وقت عمر 9 سال تھی۔ علاوہ ازیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے کتنی بڑی تھیں اِس سلسلے میں تاریخی روایتیں متعارض بھی ہیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر کتنی تھی اِس تعلق سے بھی تاریخی روایتیں مختلف ہیں۔ ذیل میں ہم ان کو ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کتنے سال چھوٹی تھیں؟

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُن کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کتنے سال بڑی تھیں اِس تعلق سے جتنی تاریخی روایتیں ہیں اُن میں سے کسی ایک کی کوئی مضبوط سند نہیں ہے اور کوئی ایک روایت مشہور یا متواتر بھی نہیں ہے۔ اِس بارے میں روایتیں متعارض ہیں۔ ذیل میں اُنہیں ملاحظہ کریں:

ابن کثیر نے یہ لکھا ہے: ”وھی اَکْبَرُ مِنْ اُخْتِھَا عائشة بعشر سنین“ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔

[البدایۃ والنہایۃ: ج۸،ص۳۸۱، أسماء بنت أبي بكر الصديق، الناشر: دار إحياء التراث العربي

یہی بات ابن ابی الزناد کے حوالے سے علامہ ذہبی نے نقل کی ہے:

قَالَ ابْنُ اَبِی الزِّنَادِ: "كَانَتْ اَكْبَرَ مِنْ عَائِشَةَ بِعَشْرِ سِنِينَ۔"

[تاریخ الاسلام: ج۵،ص۲۱۲، حَوَادِثُ سَنَةِ ثَمَانِينَ، الناشر: المكتبة التوفيقية]

پھر خود امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں یہ لکھا ہے:

وَكَانَتْ اَسَنَّ مِنْ عَائِشَةَ بِبِضْعَ عَشْرَةَ سَنَةً۔

ترجمہ:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم سے کم 13 سال اور زیادہ سے زیادہ 19 سال بڑی تھیں۔

[سیر اعلام النبلاء، ج۲،ص۲۸۸، أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِي قُحَافَةَ عُثْمَانَ التَّيْمِيَّةُ، الناشر: مؤسسة الرسالة]

پھر "سیر اعلام النبلاء" ہی میں ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے: كَانَتْ اَسَنَّ مِنَ عَائِشَةَ بسنوات۔ حضرت اسماء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے کچھ سال بڑی تھیں۔

[سیر اعلام النبلاء، ج۳،ص۳۷۹، ومن صغار الصحابة، عَبْدُ اللهِ بنُ الزُّبَيْرِ بنِ العَوَّامِ بنِ خُوَيْلِدٍ الأَسَدِيُّ، الناشر: مؤسسة الرسالة]

معلوم ہوا کہ یہ بات تو طے ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں لیکن یہ طے نہیں ہے کہ کتنے سال بڑی تھیں۔ بعض روایتوں میں 10 سال بعض میں 13 سے 19 سال کے درمیان اور بعض روایتوں میں کچھ سال کہا گیا ہے۔

ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سو سال عمر پائی تھی۔

وَاَدْرَكَتْ قَتْلَ وَلَدِهَا فِي هَذِهِ السَّنَةِ كَمَا ذَكَرْنَا، ثُمَّ مَاتَتْ بَعْدَهُ

بِخَمْسَةِ اَيَّامٍ، وَقِيلَ بِعَشَرَةٍ، وَقِيلَ بِعِشْرِينَ، وَقِيلَ بضع وَعِشْرِينَ يَوْمًا، وَقِيلَ عَاشَتْ بَعْدَهُ مِائَةَ يَوْمٍ وَهُوَ الْاَشْهَرُ، وَبَلَغَتْ مِنَ الْعُمُرِ مِائَةَ سَنَةٍ وَلَمْ يَسْقُطْ لَهَا سِنٌّ وَلَمْ يُنْكَرْ لَهَا عقل رحمها الله۔

ترجمہ:

73ھ میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حیات میں اُن کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شہید کیے گئے پھر پندرہ دنوں کے بعد اُن کی بھی وفات ہوگئی۔بعض روایتوں کے مطابق دس دن،بعض کے مطابق بیس دن،بعض کے مطابق 29 دن اور بعض روایت کے مطابق سو دنوں کے بعد وفات ہوئی۔یہی روایت مشہور ہے۔

[البدایۃ والنہایۃ،ج ۸ ص ۳۸۱،أسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ،الناشر: دار احیاء التراث العربی]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کی وفات 73ھ میں ہوئی ہے۔اِس حساب سے ہجرت کے وقت اُن کی عمر 27 سال کی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے دس سال چھوٹی تھیں تو ہجرت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 17 سال بنتی ہے۔اِسی روایت کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 17 سال تھی،حالاں کہ یہ روایت ایسی مضبوط ومستند نہیں کہ اس کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُن صحیح احادیث کو موضوع قرار دے کر مسترد کر دیا جائے جن میں یہ واضح طور پر موجود ہے کہ نکاح کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 6 یا 7 سال اور رخصتی کے وقت 9 سال تھی۔ایک جگہ علامہ ذہبی نے یہ لکھا ہے کہ حضرت اسماء نے سو سال عمر پائی تھی پھر انہوں نے دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے سو کی دہائی میں وفات پائی ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں:

”وتوفيت ام ابن الزبير بعد مصابه بيسير . وهي اسماء بنت ابى بكر

الصدیق، وھی فی عشر المئۃ۔"

ترجمہ:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی وفات ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے کچھ دنوں کے بعد ہوئی ہے۔ان کی وفات سو کی دہائی میں ہوئی ہے۔

[العبر فی خبر من غبر : ج ۱ص ۶۰، سنۃ ثلاث وسبعین، الناشر: دارالکتب العلمیۃ - بیروت]

علامہ ذہبی کی اِس تحریر سے یہ ظاہر ہے کہ یہ روایت مسلم نہیں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر سو سال تھی۔ اگر سو کی دہائی میں وفات مانی جائے اور کم سے کم 91،92 سال عمر مانی جائے تو ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 19،18 سال اور حضرت عائشہ کی 8,9 سال ہو گی۔

علامہ ذہبی نے یہ لکھا بھی ہے: **قُلْتُ: فَعُمُرُ هَا علی هذا إحدی وتسعون سنة**. حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 91 سال ہوئی۔

[تاریخ الاسلام: ج ۵،ص ۲۱۲، حَوَادِثُ سَنَةِ ثَمَانِينَ: الناشر: المکتبۃ التوفیقیۃ]

اور اگر سو کا نصف عشرہ مانا جائے یعنی 95 سال تو ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 22 سال اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی 12 سال۔ بہر حال تاریخ کے حساب سے جب تک حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر کا تعین حتمی ویقینی نہیں ہوتا اُن کی عمر سے تقابل کر کے تاریخی روایت کی بنا پر یہ متعین کر کے نہیں کہا جا سکتا کہ ہجرت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کتنی تھی؟ ہاں اگر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 91 یا 92 سال مانی جائے تو ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 18 یا 19 سال اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی 8 یا 9 سال بنتی ہے۔ اِس صورت میں یہ تاریخی روایت احادیث صحیحہ کے موافق ہو جاتی ہے اور ابن کثیر کے قول:

وَ كَانَ عُمْرُهَا عَامَ الْهِجْرَةِ ثَمَانِ سنين او تسع سنين

[البداية والنهاية، ج۸،ص۱۰۱، سنة ثمان وخمسين ،الناشر: دار إحياء التراث العربي،]

کے مطابق بھی۔

جن مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر سو سال تھی ،انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 9 سال تھی۔اس کا مطلب یہ ہے اُن مؤرخین نے یہاں تاریخی روایت کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ صحیح کو ترجیح دی ہے۔

حاصلِ کلام:

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تاریخی روایتوں میں ٹکراؤ ہے۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر سو سال ہوئی ہے۔بعض میں ہے کہ 91 اور 99 سال کے درمیان ہوئی ہے۔بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔بعض روایتوں میں ہے کہ کم سے کم 13 سال اور زیادہ سے زیادہ 19 سال بڑی تھیں۔اِس کے علاوہ ان تاریخی روایتوں میں سے کوئی ایک روایت اتنی مضبوط و مستند نہیں ہے جتنی مضبوط صحیحین کی وہ حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ رخصتی کے وقت ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 9 سال تھی۔جب تاریخی روایت حدیث صحیح کے مقابلے میں کمزور ہے تو بلاشبہہ تاریخی روایت کو ترک کرنا اور صحیح حدیث کو پکڑنا لازم ہے۔یہی سبب ہے کہ جن مؤرخین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 100 سال تھی اور ان کی وفات 73ھ میں ہوئی ہے،اُن سب نے بھی صحیح حدیث کو اختیار کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ نکاح کے

وقت ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 6 سال اور رخصتی کے وقت 9 سال تھی۔علامہ ابن کثیر نے ''**البدایہ والنہایہ**'' میں اور علامہ ابن عبدالبر نے ''**الاستیعاب**'' میں یہاں تک لکھا ہے کہ ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی 6 یا سات سال کی عمر میں اور رخصتی 9 سال کی عمر میں ہوئی ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔علامہ ابن کثیر کا حوالہ پہلے گزرا۔علامہ ابن عبدالبر کے الفاظ یہ ہیں:

وابتنی بھا بالمدینۃ وھی ابنۃ تسع، لا اعلمھم اختلفوا فِی ذلک۔

ترجمہ:

مدینہ میں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی تھی جب کہ اُن کی عمر 9 سال تھی۔میں نہیں جانتا کہ اِس میں کسی نے اختلاف کیا ہے۔

[الاستیعاب: ۴، ۱۸۸۱، عائشۃ بنت أبی بکر الصدیق، الناشر: دارالجیل، بیروت]

تاریخی روایتوں کو کیوں چھوڑا گیا؟

تمام مؤرخین اسلام نے اس مسئلہ میں تاریخی روایتوں کو تاریخ نویسی کی حد تک نقل تو کیا ہے لیکن بطورِ موقف ان روایتوں کے مقابلے میں حدیثِ صحیح کو کیوں اختیار کیا ہے؟ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات اچھی طرح اِس بات کو جانتے تھے کہ اگر متضاد، غیر مستند، ضعیف تاریخی روایتوں کو بنیاد بنا کر صحیح حدیثوں کو رد کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا جائے گا تو انکارِ حدیث کے فتنے کو غذا فراہم کر کے ذخیرۂ احادیث کو مشکوک ٹھہرانا لازم آئے گا اور مخالفین اسلام کی دیرینہ خواہش بھی یہی ہے۔

دورِ جدید کے بعض محققین جس درایت کی بنا پر صحیح حدیث کو مسترد کر کے ایک غیر مستند وضعیف تاریخی روایت کو اپنانا چاہتے ہیں اُس درایت کو محدثین، قدیم مؤرخین اسلام، علمائے محققین واسلافِ امت نے قطعاً ناقابل اعتنا گردانا ہے۔

تاریخی روایتوں کا ایک تجزیاتی مطالعہ:

اب اخیر میں ہم ایک ایسا تاریخی تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے یہ ثابت

ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 6 یا سات سال اور رخصتی کے وقت تقریباً نو دس سال تھی۔

{1}......تمام کتبِ تاریخ وسیرت میں یہ لکھا ہے کہ وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 66 سال تھی اور سنِ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔تاریخ طبری، الکامل لابن الاثیر، المنتظم لابن الجوزی طبقاتِ ابن سعد وغیرہ میں سن وفات 58 ہجری لکھا ہے۔لیکن ہشام بن عروہ کی روایت سے ابن عساکر کی تاریخ دمشق، تاریخ خلیفہ بن خیاط اور تاریخ ابوزرعہ دمشقی میں 57ہجری لکھا ہے۔اِس حساب سے ہجرت کے وقت ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 8 یا نو سال اور رخصتی کی عمر 9 یا دس سال ہوتی ہے۔اگر رخصتی کے وقت 18 یا19 سال کی عمر مانی جائے گی تو 57 یا58ہجری میں آپ کی عمر 75 اور 77 سال کے درمیان ہوگی۔حالاں کہ آپ کی عمر 66 سال تھی، اِس بات کو تمام مؤرخین نے لکھا ہے۔کسی نے 75، 76 یا 77 نہیں لکھا ہے۔

{2}......کتبِ تاریخ وتراجم کے مطابق سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت اعلانِ نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت نبوت کے چار سال بعد ہوئی تھی، کیوں کہ اُن کا نکاح نبوت کے دسویں سال ہوا تھا، اُس وقت اُن کی عمر 6 سال تھی۔اِس حساب سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے 9 سال بڑی ہیں (بعض مؤرخین نے 5 سال لکھا ہے لیکن تاریخی تجزیہ کی روشنی میں یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔اِس کو درست ماننے سے یہ ماننا لازم آئے گا کہ سیدہ پاک علی ابیہا وعلیہا السلام کا سنِ ولادت نبوت سے ایک سال پہلے مانا جائے اور یہ بات مشہور روایتوں کے خلاف ہے۔) طبقاتِ ابنِ سعد وغیرہ میں ہے کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی رخصتی اٹھارہ سال کی عمر میں 2 ہجری میں ہوئی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی شوال دو ہجری میں ہوئی ہے۔رخصتی کے وقت سیدہ پاک کی عمر 18 سال تھی تو اس حساب سے رخصتی کے

وقت ماں عائشہ کی عمر 9 سال ہوتی ہے۔ کیوں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ پاک علی ابیہا وعلیہا السلام سے نو سال چھوٹی تھیں۔۔

{3}......علامہ ابن عبد البر مالکی نے **''الاستیعاب''** میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے دو یا تین سال پہلے، حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی وفات کے بعد مجھ سے نکاح کیا ہے، اُس وقت میری عمر 6 یا 7 سال تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی ہے، ابن عبدالبر نے اِسی کو صواب (درست) کہا ہے۔ جب ہجرت سے دو یا تین سال پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 6 یا 7 سال تھی تو ظاہر ہے ہجرت کے وقت ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 8 یا 9 سال اور رخصتی کے وقت ساڑھے نو یا ساڑھے دس سال تھی۔ عموماً آدمی ایک دو سال کی کمی بیشی کے ساتھ اپنی عمر بیان کرتا ہے، ایسا معمول اور رائج ہے۔ لہٰذا صحیحین کی حدیث جس میں نکاح کی عمر 6 یا 7 سال اور رخصتی کی عمر 9 سال بیان کی گئی ہے، اِس میں تاریخی روایتوں سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اگر کچھ روایتوں سے تعارض ہے بھی تو خود روایتوں کے باہم متعارض اور غیر مستند ہونے کے سبب اُن کا تقابل احادیث صحیحہ کے ساتھ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تاریخی روایتوں کے مقابلے میں صحیحین سمیت درجنوں کتبِ احادیث میں منقول اسی صحیح حدیث کو مقبول قرار دیا جائے گا جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ نکاح کے وقت ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 6 یا 7 سال اور رخصتی کے وقت 9 سال تھی۔ ایک مسلمان کے لیے اس بات کو ماننے میں نہ کوئی استحالہ ہے نہ کوئی شرعی قباحت، بلکہ اِسی کو ماننا لازم ہے کہ یہ بات قوی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور تمام اسلافِ محدثین، اصحابِ تاریخ وسیر وعلمائے محققین کا یہی موقف ہے، اِس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ ابن کثیر اور ابن عبدالبر نے اِس پر علما کا اتفاق نقل کیا ہے۔

چھٹا شبہہ اور اس کا جواب:

شاہ صاحب نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا تقابل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر شادی کے وقت 19 سال تھی۔ اُس کا جواب ہم نے پچھلے صفحات میں لکھ دیا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر کتنی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُن سے کتنی چھوٹی تھیں اور یہ کہ اِس سلسلے میں تاریخی روایات متضاد ہیں، نیز وہ روایات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ صحیح جیسی مستند بھی نہیں ہیں، اِس لیے احادیث صحیحہ کے مقابلے میں وہ تاریخی روایات معتبر نہیں۔ (تفصیلی جواب پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے)

شاہ صاحب نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے تاریخ طبری کی ایک روایت پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں دو نکاح کیے تھے۔ ایک بیوی قتیلہ بنت عبدالعزی، ان سے عبداللہ اور اسماء اور دوسری بیوی اُمّ رومان، اُن سے حضرت عبدالرحمٰن اور ماں عائشہ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے تھے۔

تاریخ طبری کی اِس روایت میں صرف اِتنی بات مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں دو بیویاں کی تھیں، ایک سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے تھے اور دوسری سے عبدالرحمٰن اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اِس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت زمانۂ جاہلیت میں ہوئی تھی۔ جب طبری کی اِس روایت سے شاہ صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہو سکا تو شاہ صاحب نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے اپنی طرف سے ایک نئی بات گڑھ لی جس کا تاریخِ طبری بلکہ کسی معتبر کتاب میں اتا پتا نہیں، بلکہ شاہ صاحب کی بات مشہور تاریخی روایات اور احادیثِ صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔ شاہ صاحب کی اپنی گڑھی ہوئی بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا کی ولادت اعلانِ نبوت سے 4 یا پانچ سال قبل ہوئی ہے۔

پہلے شاہ صاحب نے یہ مفروضہ قائم کیا، پھر اِس مفروضے پر اپنے دعویٰ کی عمارت کھڑی کرتے ہوئے فرمایا کہ اِس میں 4 سال میں 13 سال قبلِ ہجرت کے اور جوڑلو تو 17 سال ہوتے ہیں ، پھر ایک بات اور گڑھ لی کہ ہجرت کے دوسرے سال اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا، اِس حساب سے نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 19 یا 20 سال ہوئی۔۔۔ یہ ہے شاہ صاحب کی نادر تحقیق جو چودہ سو سال کے بعد عالم وجود میں آئی ہے!

نہ جانے شاہ صاحب کو کہاں یہ روایت مل گئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت سے چار پانچ سال پہلے ہوئی ہے! حالاں کہ تمام اصحابِ تاریخ وسیر وطبقات نے یہ لکھا ہے کہ بعثت کے دسویں یا گیارہویں سال حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مکہ مکرمہ میں نکاح فرمایا تھا، اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً سات سال تھی۔ اس لحاظ سے ان کی ولادت بعثت کے چار سال بعد ہوئی ہے نہ کہ چار سال قبل، لیکن شاہ صاحب نے بعدِ بعثت کو قبلِ بعثت کرکے یہ کہہ دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت سے 4 سال قبل اور نکاح ہجرت کے دو سال بعد مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے ایسا اِس لیے کہا تاکہ اُن کا 19 سال والا مفروضہ صحیح ثابت ہوجائے۔

شاہ صاحب کے مفروضے کو غلط ثابت کرنے کے لیے ہم طوالت سے بچتے ہوئے صرف عمدۃ المحققین امام ابن حجر عسقلانی کی **"الاصابۃ فی تمییز الصحابہ"** کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں:

وامھا ام رومان بنت عامر بن عویمر الکنانیۃ، ولدت بعد المبعث باربع سنین او خمس، فقد ثبت فی الصّحیح انّ النبی صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم تزوجھا وھی بنت ست، وقیل سبع، ویجمع بانھا کانت اکملت

السّادسة و دخلت في السّابعة، و دخل بها و هي بنت تسع۔

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں اُمّ رومان بنت عامر بن عُوَیمر کنانیہ ہیں۔ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار یا پانچ سال کے بعد پیدا ہوئیں۔صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُس وقت نکاح فرمایا تھا جب کہ وہ 6 سال کی تھیں۔یہ بھی کہا گیا ہے سات سال کی تھیں۔دونوں قول کی تطبیق یوں ہوگی کہ 6 سال پورے ہو چکے تھے اور ساتواں سال جاری تھا۔اُن کی رخصتی 9 سال کی عمر میں ہوئی تھی۔

[الاصابہ: ج۸،ص ۲۳۱ تا ۲۳۲، عائشۃ بنت أبي بكر الصديق، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت]

شاہ صاحب کی تاریخ طبری والی روایت سے تو اُن کا مدعا ثابت نہیں ہوا البتہ راقم الحروف اب تاریخ طبری ہی کی ایک واضح روایت پیش کر رہا ہے جسے دیکھ کر شاہ صاحب کو بھی اپنے دعویٰ کی عمارت زمیں بوس ہوتی نظر آئے گی۔وہ روایت یہ ہے۔ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:

خِلالٌ فِيَّ تِسعٌ لَمْ تَكُنْ فِي اَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إلا مَا آتى اللّٰهُ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ، وَاللّٰهِ مَا اَقُولُ هَذَا فَخْرًا عَلَى اَحَدٍ مِنْ صَوَاحِبِي، قَالَ لَهَا: وَمَا هن؟قَالَتْ: نَزَلَ الْمَلَكُ بِصُورَتِي، وَتَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِسَبْعِ سِنِينَ، وَاُهْدِيتُ إِلَيْهِ لِتِسْعِ سِنِينَ، وَتَزَوَّجَنِي بِكْرًا لَمْ يُشْرِكْهُ فِيَّ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ، وَكَانَ يَاْتِيهِ الْوَحْيُ وَاَنَا وَهُوَ فِي لِحَافٍ وَاحِدٍ، وَكُنْتُ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَنَزَلَ فِيَّ آيَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَادَتِ الأُمَّةُ اَنْ تَهْلِكَ، وَرَاَيْتُ جِبْرِيلَ وَلَمْ يَرَهُ اَحَدٌ مِنْ نِسَائِهِ غَيْرِي، وَقُبِضَ فِي بَيْتِي لَمْ يَلِهِ اَحَدٌ غَيْرُ الْمَلَكِ وَاَنَا قال ابو جعفر: تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم- فيما قيل- في شوال، و بنى بها حين بنى بها في شوال.

[تاریخ الطبری: ج ۲، ص ۳۹۴، باب خطبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی اول جمعۃ جمعھا، الناشر: دار التراث - بیروت]

اس روایت میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی 9 امتیازی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے اُنہیں حاصل ہوئی تھیں۔ اُن نو خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سات سال کی عمر میں شادی فرمائی تھی اور 9 سال کی عمر میں اُن کی رُخصتی ہوئی تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے یہ خصوصیت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوئی تھی کہ انہیں سات سال کی عمر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرفِ زوجیت سے سرفراز فرمایا تھا تو اُس میں کسی مسلمان کے لیے تعجب کی کیا بات ہے؟۔ جب سات سال کی عمر میں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ایک خاص واقعہ ہے جس کا تعلق عمومی حکم سے نہیں ہے تو یہ اعتراض ہی بے معنی ہے کہ عرب میں اور لڑکیوں کی شادی سات سال میں کیوں نہیں کی جاتی تھی؟ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور کسی کم سن لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی تھی؟

حیرت اِس بات پر ہے کہ جو لوگ شادی کو محض قضائے شہوت کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اور جن کے نزدیک شادی بیاہ محض ایک رسم ہے، بغیر شادی کے مرد وزن کا باہمی رضامندی سے جنسی تعلق قائم کرنا جن کے یہاں کوئی عیب کی بات نہیں ہے، ایسے لوگ پیغمبر اسلام کے نکاح پر زبان درازی کرتے ہیں۔ پھر حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ ایسے افراد کے بے جا اعتراضات سے مرعوب ہو کر ہمارے بعض علما احادیث صحیحہ کو بعض ضعیف وغیر مستند تاریخی روایتوں کی بنا پر رد کرنے بلکہ انہیں کتبِ احادیث سے نکال باہر کرنے کا مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ہیں۔ استغفر اللہ العظیم۔

اللہ پاک ایسے حضرات کو عقل سلیم عطا فرمائے۔۔۔

اِس قسم کی باتیں سن کر اور پڑھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے۔ نادان دوست دانا دشمن سے زیادہ نقصان دِہ ہوتا ہے۔

قارئین کرام! ذرا سوچیں کہ منبرِ خطابت سے ایک عالم کہلانے والا شخص امت کے نام یہ پیغام نشر کرتا ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی عمر سے متعلق بخاری کی حدیث کو اور اُس جیسی ان تمام احادیث کو اپنی کتابوں سے نکال دینا چاہئے جن کو بنیاد بنا کر دشمنان اسلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اِس قسم کی مرعوبانہ فکر کو اسلام میں جگہ دی جائے تو بعید نہیں کہ کل کوئی خطیب اٹھے گا اور کہے گا کہ طلاق، نفقہ، عدت، وراثت، حضانت وغیرہ کے اُن سارے اسلامی احکام کو ہماری کتابوں سے نکال دینا چاہئے جن کی بنیاد پر مخالفین اسلام، اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایسے عقل مندوں سے پھر ایک بار گزارش ہے کہ خدارا مرعوبیت اور انفعالی کیفیت سے باہر نکلیں اور مسلمہ اسلامی احکام، قرآنی آیات، احادیث متواترہ مشہورہ وصحیحہ پر ہونے والے اعتراضات سے گھبرا کر اپنی علمی میراث کو مشکوک ٹھہرانے کے بجائے مخالفین کے اعتراضات وشبہات کے علمی وتحقیقی جوابات دے کر دین وسنت کی مثبت ومستحکم خدمات انجام دیں، یہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت اور وفاداری ہے۔

رہی بات مستشرقین اور دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کی تو اُن کی حیثیت مکڑی کے جالے کی سی ہے۔ اُن کے اعتراضات جب جب سامنے آئے ہیں علمائے محققین نے مُسکت جوابات دئے ہیں اور آج بھی جوابات دئے جا رہے ہیں۔ دشمنانِ اسلام کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی ہے پھر بھی بغض وعناد کے سبب بار بار انہیں گھسے پٹے اعتراضات کو دوہراتے رہتے ہیں۔ حیرت ہے اُن دشمنانِ اسلام کے ذہن وفکر پر کہ مشرکین وکفارِ مکہ نے تو ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی پر کسی قسم کا اعتراض اور شور وغوغا نہیں کیا تھا اور پیغمبر اسلام کے اخلاق وکردار پر انگلی اٹھانے کی جسارت نہیں کی تھی لیکن آج کچھ سر پھرے ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی عمر کو لے کر بے جا اعتراضات کرتے ہیں تو آج کے سر پھروں کے

اعتراضات کس شمار وقطار میں ہوں گے؟!

چلتے چلتے میں اپنے موقر ومقتدر علما کی بارگاہوں میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ خدارا مستشرقین اور دشمنانِ اسلام کے بے جا اعتراضات سے مرعوب ہوکر کچھ غیر مستند وضعیف تاریخی روایات وحکایات کے سہارے احادیث صحیحہ کو موضوع ومسترد ٹھہرا کر غیر شعوری طور پر ذخیرۂ احادیث کو شک کے گھیرے میں لانے کی غلطی نہ کی جائے۔ محدثین وناقدین حدیث نے اپنی انتھک کوششوں سے پورے ذخیرۂ احادیث کو چھان پھٹک کر نشان دہی فرمادی ہے کہ کون کون سی حدیث روایتاً موضوع ہے اور کون کون سی درایتاً موضوع ہے۔ اب من وشما کی یہ حیثیت نہیں کہ جس حدیث کو محدثین وناقدین حدیث نے صحیح مقبول قرار دیا ہے اُسے ہم اپنی درایت اور فہم ناقص سے رد کردیں۔

ان اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب۔

رضاء الحق مصباحی اشرفی راج محلی

موبائل نمبر:9572683333

:email

razaulhaqashrafi@gmail.com